

حضرت علی علیہ السلام

<"xml encoding="UTF-8?">

نام

پیغمبر اسلام (ص) نے آپ کا نام اللہ کے نام پر علی رکھا۔ حضرت ابو طالب و فاطمہ بنت اسد نے پیغمبر اسلام (ص) سے عرض کیا کہ ہم نے ہاتھ غیبی سے یہی نام سنا تھا۔

القاب

آپ کے مشہور القاب امیر المومنین، مرتضیٰ، اسد اللہ، ید اللہ، نفس اللہ، حیدر، کرار، نفس رسول اور ساقی کوثر ہیں۔

کنیت

حضرت علی علیہ السلام کی مشہور کنیت ابو الحسن و ابو تراب ہیں۔

والدین

حضرت علی (ع) ہاشمی خاندان کے وہ پہلے فرزند ہیں جن کے والد اور والدہ دونوں ہاشمی ہیں۔ آپ کے والد ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ہیں اور ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔ ہاشمی خاندان قبیلہ قریش میں اور قریش تمام عربوں میں اخلاقی فضائل کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے۔

جواں مردی، دلیری، شجاعت اور بہت سے فضائل بنی ہاشم سے مخصوص تھے اور یہ تمام فضائل حضرت علی (ع) کی ذات مبارک میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

ولادت

جب حضرت علی (ع) کی ولادت کا وقت قریب آیا تو فاطمہ بنت اسد کعبہ کے پاس آئیں اور اپنے جسم کو اس کی دیوار سے مس کر کے عرض کیا: پروردگارا! میں تجھ پر، تیرے نبیوں پر، تیری طرف سے نازل شدہ کتابوں پر اور اس مکان کی تعمیر کرنے والے، اپنے جد ابراہیم (ع) کے کلام پر راسخ ایمان رکھتی ہوں۔ پروردگارا! تجھے اس ذات کے احترام کا واسطہ جس نے اس مکان مقدس کی تعمیر کی اور اس بچہ کے حق کا واسطہ جو میرے شکم میں موجود ہے، اس کی ولادت کو میرے لئے آسان فرما۔ ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کعبہ کی جنوبی مشرقی دیوار، عباس بن عبد المطلب اور یزید بن تعف کی

نظروں کے سامنے شگافتہ ہوئی، فاطمہ بنت اسد کعبہ میں داخل ہوئیں اور دیوار دوبارہ مل گئی۔ فاطمہ بنت اسد تین دن تک روئے زمین کے اس سب سے مقدس مکان میں اللہ کی مہمان رہیں اور تیرہ رجب سن ۳۰/ عام الفیل کو بچہ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے بعد جب فاطمہ بنت اسد نے کعبہ سے باہر آنا چاہا تو دیوار دو بارہ شگافتہ ہوئی، آپ کعبہ سے باہر تشریف لائیں اور فرمایا: ”میں نے غیب سے یہ پیغام سنا ہے کہ اس بچے کا ”نام علی“ رکھنا۔“

بچپن اور تربیت

حضرت علی (ع) تین سال کی عمر تک اپنے والدین کے پاس رہے اور اس کے بعد پیغمبر اسلام (ص) کے پاس آگئے۔ کیونکہ جب آپ تین سال کے تھے اس وقت مکہ میں بہت سخت قحط پڑا۔ جس کی وجہ سے رسول اللہ (ص) کے چچا ابو طالب کو اقتصادی مشکل کا بہت سخت سامنا کرنا پڑا۔ رسول اللہ (ص) نے اپنے دوسرے چچا عباس سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ ہم میں سے ہر ایک، ابو طالب کے ایک ایک بچے کی کفالت اپنے ذمہ لے لے تاکہ ان کی مشکل آسان ہو جائے۔ اس طرح عباس نے جعفر اور رسول اللہ (ص) نے علی (ع) کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔

حضرت علی (ع) پوری طرح سے پیغمبر اکرم (ص) کی کفالت میں آگئے اور حضرت علی علیہ السلام کی پرورش براہ راست حضرت محمد مصطفیٰ کے زیر نظر ہونے لگی۔ آپ نے انتہائی محبت اور توجہ سے آپنا پورا وقت، اس چھوٹے بھائی کی علمی اور اخلاقی تربیت میں صرف کیا۔ کچھ تو حضرت علی (ع) کے ذاتی جوہر اور پھراس پر رسول جیسے بلند مرتبہ مربی کا فیض تربیت، چنانچہ علی علیہ السلام دس برس کے سن میں ہی اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ جب پیغمبر اسلام (ص) نے رسالت کا دعویٰ کیا، تو آپ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ آپ ہمیشہ رسول اللہ (ص) کے ساتھ رہتے تھے، یہاں تک کہ جب پیغمبر اکرم (ص) شہر سے باہر، کوہ و بیابان کی طرف جاتے تھے تو آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

پیغمبر اکرم (ص) کی بعثت اور حضرت علی (ع)

جب حضرت محمد مصطفیٰ (ص) چالیس سال کے ہوئے تو اللہ نے انہیں عملی طور پر آپنا پیغام پہنچانے کے لئے معین فرمایا۔ اللہ کی طرف سے پیغمبر (ص) کو جو یہ ذمہ داری سونپی گئی، اسی کو بعثت کہتے ہیں۔ حضرت محمد (ص) پر وحی الہی کے نزول و پیغمبری کے لئے انتخاب کے بعد کی تین سال کی مخفیانہ دعوت کے بعد بالاخر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور رسول اللہ (ص) کو عمومی طور پر دعوت اسلام کا حکم دیا گیا۔ اس دوران پیغمبر اکرم (ص) کی الہی دعوت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے والے تنہا حضرت علی (ع) تھے۔ جب رسول اللہ (ص) نے اپنے اعزاء و اقرباء کے درمیان اسلام کی تبلیغ کے لئے انہیں دعوت دی تو آپ کے ہمدرد و ہمدم، تنہا حضرت علی (ع) تھے۔

اس دعوت میں پیغمبر خدا (ص) نے حاضرین سے سوال کیا کہ آپ میں سے کون ہے جو اس راہ میں میری مدد کرے اور آپ کے درمیان میرا بھائی، وصی اور جانشین ہو؟

اس سوال کا جواب فقط حضرت علی (ع) نے دیا: ”اے پیغمبر خدا! میں اس راہ میں آپ کی نصرت کروں گا۔“

پیغمبر اکرم (ص) نے تین مرتبہ اسی سوال کی تکرار اور تینوں مرتبہ حضرت علی (ع) کا جواب سننے کے بعد

فرمایا :

اے میرے خاندان والو! جان لو کہ علی میرا بھائی اور میرے بعد تمہارے درمیان میرا وصی و جانشین ہے۔
علی (ع) کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ (ع) رسول اللہ (ص) پر ایمان لانے والے سب سے پہلے
شخص ہیں۔ اس سلسلے میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں :

”بزرگ علماء اور گروہ معتزلہ کے متکلمین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ علی بن ابی طالب (ع)
وہ پہلے شخص ہیں جو پیغمبر اسلام پر ایمان لائے اور پیغمبر خدا (ص) کی تصدیق کی۔“

رسول اسلام کی بعثت، زمانہ، ماحول، شہر اور آپنی قوم و خاندان کے خلاف ایک ایسی مہم تھی، جس میں
رسول کا ساتھ دینے والا کوئی نظر نہ آیا تھا۔ بس ایک علی علیہ السّلام تھے کہ جب پیغمبر نے رسالت کا
دعویٰ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان کا اقرار کیا۔ دوسری ذات جناب خدیجہ
ال کبریٰ کی تھی، جنہوں نے خواتین کے طبقہ میں سبقت اسلام کا شرف حاصل کیا۔

پیغمبر کا دعوائے رسالت کرنا تھا کہ مکہ کا ہر آدمی رسول کا دشمن نظر آنے لگا۔ وہی لوگ جو کل تک آپ کی
سچائی اور امانتداری کا دم بھرتے تھے آج آپ کو (معاذ اللہ) یوانہ، جادو گر اور نہ جانے کیا کیا کہنے لگے۔ اللہ کے
رسول کے راستوں میں کانٹے بچھائے جاتے، انہیں پتھر مارے جاتے اور ان کے سر پر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔
اس مصیبت کے وقت میں رسول کے شریک صرف اور صرف حضرت علی علیہ السّلام تھے، جو بھائی کا ساتھ
دینے میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتے تھے۔ وہ ہمیشہ محبت و وفاداری کا دم بھرتے رہے اور ہر موقع پر رسول کے
سینہ سپر رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا جب مخالف گروہ نے انتہائی سختی کے ساتھ یہ طے کر لیا کہ پیغمبر
اور ان کے تمام گھر والوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ حالات اتنے خراب تھے کہ جانوں کے لالے پڑ گئے تھے۔ حضرت ابو
طالب علیہ السّلام نے اپنے تمام ساتھیوں کو حضرت محمد مصطفیٰ سمیت ایک پہاڑ کے دامن میں محفوظ قلعہ
میں بند کر دیا۔ وہاں پر تین برس تک قید و بند کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ کیونکہ اس دوران ہر رات یہ خطرہ رہتا
تھا کہ کہیں دشمن شب خون نہ مار دے۔ اس لئے ابو طالب علیہ السّلام نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ رات
بھر رسول کو ایک بستر پر نہیں رہنے دیتے تھے، بلکہ کبھی رسول کے بستر پر جعفر کو اور جعفر کے بستر پر
رسول کو کبھی عقیل کے بستر پر رسول کو اور رسول کے بستر پر عقیل کو کبھی علی کے بستر پر رسول کو اور
رسول کے بستر پر علی علیہ السّلام کو لٹاتے رہتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر دشمن رسول کے بستر کا پتہ لگا کر
حملہ کرنا چاہے تو میرا کوئی بیٹا قتل ہو جائے مگر رسول کا بال بیکانہ ہونے پائے۔ اس طرح علی علیہ السّلام بچپن
سے ہی فدا کاری اور جان نثاری کے سبق کو عملی طور پر دہراتے رہے۔

رسول کی ہجرت اور حضرت علی (ع)

حضرت علی (ع) کے دیگر افتخارات میں سے ایک یہ ہے کہ جب شب ہجرت مشرک دشمنوں نے رسول اللہ (ص)
کے قتل کی سازش رچی تو آپ (ع) نے پوری شجاعت کے ساتھ رسول اللہ (ص) کے بستر پر سو کر انکی سازش کو
نا کام کر دیا۔

حضرت ابو طالب علیہ السّلام کی وفات سے پیغمبر کا دل ٹوٹ گیا اور آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا۔
دشمنوں نے یہ سازش رچی کہ ایک رات جمع ہو کر پیغمبر کے گھر کو گھیر لیں اور حضرت کو شہید کر ڈالیں۔
جب حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے جان نثار بھائی علی علیہ السّلام کو بلا کر اس سازش کے بارے
میں اطلاع دی اور فرمایا کہ میری جان اس طرح بچ سکتی ہے اگر آج رات آپ میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر

سو جاؤ اور میں مخفی طور پر مکہ سے روانہ ہو جاؤں . کوئی دوسرا ہوتا تو یہ پیغام سنتے ہی اس کا دل دہل جاتا، مگر علی علیہ السلام نے یہ سن کر کہ میرے ذریعہ سے رسول کی جان کی حفاظت ہوگی، خدا کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہوئے کہ مجھے رسول کافدیہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہی ہوا کہ رسالت ماب شب کے وقت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور علی بن ابی طالب علیہ ما السلام رسول کے بستر پر سوئے۔ چاروں طرف خون کے پیاسے دشمن تلواریں کھینچے نیزے لئے ہوئے مکان کو گھیرے ہوئے تھے . بس اس بات کی دیر تھی کہ ذرا صبح ہو اور سب کے سب گھر میں داخل ہو کر رسالت مآب کو شہید کر ڈالیں . علی علیہ السلام اطمینان کے ساتھ بستر پر آرام کرتے رہے اور اپنی جان کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ جب دشمنوں کو صبح کے وقت یہ معلوم ہوا کہ محمد نہیں ہیں تو انہوں نے آپ پر یہ دباؤ ڈالا کہ آپ بتلادیں کہ رسول کہا نگئے ہیں ؟ مگر علی علیہ السلام نے بڑے بہادرانہ انداز میں یہ بتانے سے قطعیتور پر انکار کر دیا . اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ (ص) مکہ سے کافی دور تک بغیر کسی پریشانی اور رکاوٹ کے تشریف لے جاسکیں۔ علی علیہ السلام تین روز تک مکہ میں رہے . جن لوگوں کی امانتیں رسول اللہ کے پاس تھیں ان کے سپرد کر کے خواتین بیت رسالت کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے . آپ کئی روز تک رات دن پیدل چلے کر اس حالت میں رسول کے پاس پہنچے کہ آپ کے پیروں سے خون بہ رہا تھا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام پر رسول کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور جس وفاداری ، ہمت اور دلیری سے علی علیہ السلام نے اس ذمہ داری کو پورا کیا ہے وہ بھی آپ میں ایک مثال ہے۔

شادی

جب رسول اکرم (ص) ہجرت کر کے مدینے گئے تو فاطمہ زہرا السلام اللہ عل یہا بالغ ہو چکی تھیں اور پیغمبر (ص) اپنی اکلوتی بیٹی فاطمہ زہرا السلام اللہ علیہا کی شادی کی فکر میں تھے۔ کیوں کہ رسول (ص) اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں اتنی عزت دیتے تھے کہ جب فاطمہ زہرا السلام اللہ علیہا ان کے پاس تشریف لاتی تھیں تو رسول اللہ (ص) ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے . اس لئے ہر شخص رسول کی اس معزز بیٹی کے ساتھ منسوب ہونے کا شرف حاصل کرنے کی تمنا میں تھا۔ کچھ لوگوں نے ہمت کر کے رسول کو پیغام بھی دیا مگر حضرت نے سب کی خواہشوں کو رد کر دیا اور فرمایا کہ فاطمہ کی شادی اللہ کے حکم بغیر نہیں ہوسکتی ۔

عمر و ابوبکر قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ سے مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہونچ چکے تھے کہ علی (ع) کے سوا کوئی بھی زہرا (س) کے ساتھ ازدواج کی لیاقت نہیں رکھتا۔ ایک دن جب حضرت علی (ع) انصار رسول (ص) میں سے کسی کے باغ میں آبیاری کر رہے تھے تو انہوں نے اس موضوع کو آپ (ع) کے سامنے چھیڑا اور آپ نے فرمایا :

” میں بھی دختر رسول (ص) سے شادی کا خواہاں ہوں ، یہ کہہ کر آپ رسول اللہ (ص) کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب رسول اللہ (ص) کی خدمت میں پہونچے تو رسول اللہ (ص) کی عظمت اس بات میں مانع ہوئی کہ آپ (ع) کچھ عرض کریں۔ جب رسول اللہ (ص) نے آنے کی وجہ دریافت کی تو حضرت علی (ع) نے اپنے فضائل، تقویٰ اور اسلام کے لئے اپنے سابقہ کارناموں کی بنیاد پر عرض کیا : ” آیا آپ فاطمہ کو میرے عقد میں دینا بہتر سمجھتے ہیں ؟“

حضرت زہرا (س) کی رضامندی کے بعد رسول اللہ (ص) نے یہ رشتہ قبول کر لیا۔
 ہجرت کا پہلا سال تھا کہ رسول نے علی علیہ السلام کو اس عزت کے لئے منتخب کیا۔ یہ شادی نہایت سادگی کے ساتھ انجام دی گئی۔ حضرت فاطمہ (س) کا مہر حضرت علی علیہ السلام سے لے کر اسی سے کچھ گھر کا سامان خریدا گیا جسے جہیز طور پر دیا گیا۔ وہ سامان بھی کیا تھا؟ کچھ مٹی کے برتن، خرمے کی چھال کے تکیے، چمڑے کا بستر، چرخہ، چکی اور پانی بھرنے کی مشک۔ حضرت زہرا (س) کا مہر ایک سو سترہ تولے چاندی قرار پایا، جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے ادا کیا۔

کتابت وحی

وحی الہی کی کتابت اور بہت سے تاریخی و سیاسی اسناد کی تنظیم اور دعوت الہی کے تبلیغی خطوط لکھنا، حضرت علی (ع) کے بہت اہم کاموں میں سے ایک ہے۔ آپ (ع) قرآنی آیات کو لکھتے اور منظم و کرتے تھے اسی لئے آپ کو کاتبان وحی اور حافظان قرآن میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت علیہ السلام، پیغمبر اسلام (ص) کے بھائی

پیغمبر اسلام (ص) نے مدینے پہنچ کر مسلمانوں کے درمیان بھائی کا رشتہ قائم کیا۔ عمر کو ابو بکر کا بھائی بنا بنا یاطلہ کو زبیر کا بھائی قرار دیا و۔۔۔ اور حضرت علی (ع) کو رسول اللہ (ص) نے اپنا بھائی بنایا اور حضرت علی (ع) سے فرمایا:

”تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو، اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔۔۔ میں تمہیں اپنی اخوت کے لئے انتخاب کرتا ہوں، ایک ایسی اخوت جو دونوں جہان میں برقرار رہے۔“

حضرت علی علیہ السلام اور اسلام میں جہاد

اسلام کے دشمنوں نے پیغمبر اسلام (ص) کو مدینہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ جو مسلمان مکہ میں تھے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں کچھ کو قتل کر دیا گیا، کچھ کو قیدی بنا لیا گیا اور کچھ کو مارا پیٹا گیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اسلحہ اور فوج جمع کر کے خود رسول کے خلاف مدینہ پر چڑھائی کردی۔ اس موقع پر رسول اللہ (ص) کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ مدینہ والوں کے گھروں کی حفاظت کریں، کیوں کہ انہوں نے آپ کو پریشانی کے عالم میں پناہ دی تھی اور آپ کی نصرت و مدد کا وعدہ کیا تھا، لہذا آپ نے یہ کسی طرح پسند نہ کیا کہ آپ شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں اور دشمن کو مدینہ کی پر امن آبادی میں داخل ہونے اور عورتوں اور بچوں کو پریشان کرنے کا موقع دیں۔ آپ کے ساتھیوں تعداد بہت کم تھی۔ آپ کے پاس کل تین سو تیرہ آدمی تھے اور مہربان کے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے، مگر آپ نے یہ طے کیا کہ ہم مدینے سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ یہ اسلام کی پہلی جنگ ہوئی جو آگے چل کر جنگ بدر کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ (ص) نے اپنے عزیزوں کو زیادہ آگے رکھا، جس کی وجہ سے آپ کے چچا زاد بھائی عبید ابن حارث ابن عبدالمطلب اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ علی علیہ السلام ابن ابی طالب کو جنگ کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۵ برس تھی مگر جنگ کی فتح کا سہرا علی علیہ السلام کے سر ہی بندھا۔ جتنے مشرکین قتل ہوئے ان میں سے ادھے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے اور ادھے، باقی مجاہدین کے ہاتھوں

قتل ہوئے تھے۔ اس کے بعد، اُحد، خندق، خیبر اور آخر میں حنین یہ وہ بڑی جنگیں تھیں جن میں حضرت علی علیہ السّلام نے رسول کے ساتھ رہ کر اپنی بہادری کے جوہر دکھا ئے۔ تقریباً ان تمام جنگوں میں علی علیہ السّلام کو علمداری کا عہدہ بھی حاصل رہا۔ اس کے علاوہ بہت سی جنگیں ایسی تھیں جن میں رسول نے حضرت علی علیہ السّلام کو تنہا بھیجا اور انہوں نے اکیلے ہی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ فتح حاصل کی اور استقلال، تحمّل اور شرافتُ نفس کا وہ مظاہرہ کیا کہ اس کا اقرار خود ان کے دشمن کو بھی کرنا پڑا۔ جب خندق کی جنگ میں دشمن کے سب سے بڑے سورما عمر و بن عبدود کو آپ نے مغلوب کر لیا اور اس کا سر کاٹنے کے لیے اس کے سینے پر سوار ہوئے تو اس نے آپ کے چہرے پر لعب دہن پھینک دیا۔ آپ کو غصہ آگیا اور آپ اس کے سینے سے اتر آئے۔ صرف اس خیال سے کہ اگر اس غصّے کی حالت میں اس کو قتل کیا تو یہ عمل خواہش نفس کے مطابق ہوگا، خدا کی راہ میں نہ ہوگا۔ اسی لئے آپ نے اس کو کچھ دیر کے بعد قتل کیا۔ اس زمانے میں دشمن کو ذلیل کرنے کے لیے اس کی لاش کو برہنہ کر دیتے تھے، مگر حضرت علی علیہ السّلام نے اس کی زرہ نہیں اُتاری جبکہ وہ بہت قیمتی تھی۔ چنانچہ جب عمرو کی بہن آپنے بھائی کی لاش پر ائی تو اس نے کہا کہ اگر علی کے علاوہ کسی اور نے میرے بھائی کو قتل کیا ہوتا تو میں عمر بھر روتی، مگر مجھے یہ دیکھ کر صبر آگیا کہ اس کا قاتل شریف انسان ہے جس نے آپنے دشمن کی لاش کی توہین گوارا نہیں کی۔ آپ نے کبھی دشمن کی عورتوں یا بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھا یا اور نہ کبھی مالِ غنیمت کی طرف رخ کیا۔

غدير خم

پیغمبر اکرم (ص) آپنی پر برکت زندگی کے آخری سال میں حج کا فریضہ انجام دینے کے بعد مکہ سے مدینے کی طرف پلٹ رہے تھے، جس وقت آپ کا قافلہ جحفہ کے نزدیک غدیر خم نامی مقام پر پہنچا تو جبرئیل امین یہ آیہ بلغ لیکر نازل ہوئے، پیغمبر اسلام (ص) نے قافلے کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ نماز ظہر کے بعد پیغمبر اکرم (ص) اونٹوں کے کجاو سے بنے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

”ایہا الناس! وہ وقت قریب ہے کہ میں دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے تمہارے درمیان سے چلا جاؤں، لہذا بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

سب نے کہا: ”ہم گواہی دیتے ہیں آپ نے الہی آئین و قوانین کی بہترین طریقے سے تبلیغ کی ہے“ رسول اللہ (ص) نے فرمایا ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدائے واحد کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔“

پھر فرمایا: ”ایہا الناس! مومنوں کے نزدیک خود ان سے بہتر اور سزاوار تر کون ہے؟“۔

لوگوں نے جواب دیا: ”خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“

پھر رسول اللہ (ص) نے حضرت علی (ع) کے ہاتھ کو پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا:

”ایہا الناس! من کنت مولاه فهذا علی مولاه۔ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کے یہ علی مولا ہیں۔“

رسول اللہ (ص) نے اس جملے کی تین مرتبہ تکرار کی۔

اس کے بعد لوگوں نے حضرت علی (ع) کو اس منصب ولایت کے لئے مبارک باد دی اور آپ (ع) کے ہاتھوں پر بیعت کی۔

حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اسلام (ص) کی نظر میں

علی علیہ السلام کے امتیازی صفات اور خدمات کی بنا پر رسول ان کی بہت عزت کرتے تھے او اپنے قول اور فعل سے ان کی خوبیوں کو ظاہر کرتے رہتے تھے کبھی یہ کہتے تھے کہ «علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں» کبھی یہ کہا کہ «میں علم کاشہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ کبھی یہ کہا «آپ سب میں بہترین فیصلہ کرنے والا علی ہے۔ کبھی یہ کہا»علی کومجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ کبھی یہ کہا»علی مجھ سے وہ تعلق رکھتے ہیں جو روح کو جسم سے یاسر کو بدن سے ہوتا ہے ...» کبھی یہ کہ»وہ خدا اور رسول کے سب سے زیادہ محبوب ہیں،، یہاں تک کہ مباہلہ کے واقعہ میں علی علیہ السلام کو نفسِ رسول کا خطاب ملا۔ عملی اعزاز یہ تھا کہ جب مسجد کے صحن میں کھلنے والے، سب کے دروازے بند ہوئے تو علی کادروازہ کھلا رکھا گیا۔ جب مہاجرین و انصار میں بھائی کا رشتہ قائم کیا گیا تو علی علیہ السلام کو پیغمبر نے اپنا بھائی قرار دیا۔ اور سب سے آخر میں غدیر خم کے میدان میں مسلمانوں کے مجمع میں علی علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے یہ اعلان فرما دیا کہ جس طرح میں تم سب کا حاکم اور سرپرست ہوں اسی طرح علی علیہ السلام، تم سب کے سرپرست اور حاکم ہیں۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ تمام مسلمانوں نے علی علیہ السلام کو مبارک باد دی اور سب نے سمجھ لیا کہ پیغمبر نے علی علیہ السلام کی ولی عہدی اور جانشینی کا اعلان کر دیا ہے۔

رسول اللہ (ص) کی وفات اور حضرت علی علیہ السلام

ہجرت کا دسواں سال تھا کہ پیغمبر خدا (ص) ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوئے، جو ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا۔ یہ خاندانِ رسول کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ حضرت علی علیہ السلام رسول کی بیماری میں آپ کے پاس موجود رہ کر تیمارداری کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اور رسول اللہ (ص) بھی اپنے پاس سے ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت علی علیہ السلام کا جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے۔ پیغمبر اسلام (ص) نے علی علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور سینے سے لگا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور ضروری وصیتیں فرمائیں۔ اس گفتگو کے بعد بھی حضرت علی علیہ السلام کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیا اور ان کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ جس وقت رسول اللہ (ص) کی روح جسم سے جدا ہوئی، اس وقت بھی حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ رسول کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

جس نے زندگی بھر پیغمبر کا ساتھ دیا ہو، وہ بعد رسول ان کی لاش کو کس طرح چھوڑ سکتا تھا، لہذا رسول کی تجہیز و تکفین اور غسل کا تمام کام علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا اور رسول اللہ (ص) کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں رکھ کر دفن کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری خلافت

رسول اللہ (ص) کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے پچیس برس خانہ نشینی میں بسر کئے۔ جب سن ۳۵ ہجری قمری میں مسلمانوں نے خلافتِ اسلامی کا منصب حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو پہلے تو آپ نے انکار کر دیا، لیکن جب مسلمانوں کا اصرار بہت بڑھا تو آپ نے اس شرط سے منظو رکھ لیا کہ میں قرآن اور سنتِ پیغمبر (ص) کے مطابق حکومت کروں گا اور کسی رورعایت سے کام نہ لوں گا۔ جب مسلمانوں نے

اس شرط کو منظور کر لیا تو آپ نے خلافت کی ذمہ داری قبول کی۔ مگر زمانہ آپ کی خالص دینی حکومت کو برداشت نہ کرسکا، لہذا بنی امیہ اور بہت سے وہ لوگ، جنہیں آپ کی دینی حکومت کی وجہ سے اپنے اقتدار کے ختم ہوجانے کا خطرہ محسوس ہو گیا تھا، وہ آپ کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان سب سے مقابلہ کرنا اپنا فرض سمجھا، جس کے نتیجے میں جمل، صفین، اور نہروان کی جنگیں ہوئیں۔ ان جنگوں میں حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام نے اس شجاعت اور بہادری سے جنگ کی جو بدر، احد، خندق، وخیبر میں کسی وقت دیکھی جاچکی تھی اور زمانہ کو یاد تھی۔ ان جنگوں کی وجہ سے آپ کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ آپ اس طرح اصلاح فرماتے جیسا کہ آپ کا دل چاہتا تھا۔ پھر بھی آپ نے اس مختصر سی مدت میں، سادہ اسلامی زندگی، مساوات اور نیک کمائی کے لیے محنت و مزدوری کی تعلیم کے نقش تازہ کردئے۔ آپ شہنشاہ اسلام ہونے کے باوجود کجھوروں کی دکان پر بیٹھنا اور اپنے ہاتھ سے کجھوریں بیچنا بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، غریبوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھالتے تھے۔ جو مال بیت المال میں آتا تھا اسے تمام حقداروں کے درمیان برابر تقسیم کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے سگے بھائی عقیل نے جب یہ چاہا کہ انہیں، دوسرے مسلمانوں سے کچھ زیادہ مل جائے، تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر میرا ذاتی مال ہوتا تو یہ ممکن تھا، مگر یہ تمام مسلمانوں کا مال ہے، لہذا مجھے حق نہیں ہے کہ میں اس میں سے اپنے کسی عزیز کو دوسروں سے زیادہ حصہ دوں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر آپ کبھی رات کے وقت بیت المال میں حساب و کتاب میں مصروف ہوتے اور کوئی ملاقات کے لیے آجاتا اور غیر متعلق باتیں کرنے لگتا تو آپ چراغ کو بھجادیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بیت المال کے چراغ کو میرے ذاتی کام میں صرف نہیں ہونا چاہئے۔ آپ کی کوشش یہ رہتی تھی کہ جو کچھ بیت المال میں آئے وہ جلد سے جلد حق داروں تک پہنچ جائے۔ آپ اسلامی خزانے میں مال کو جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت

جنگ نہروان کے بعد خوارج میں سے کچھ لوگ جیسے عبد الرحمن بن ملجم مرادی، ومبرک بن عبد اللہ تمیمی اور عمر و بن بکر تمیمی ایک رات میں ایک جگہ جمع ہوئے اور نہروان میں مارے گئے اپنے ساتھیوں کو یاد کیا کرتے ہوئے ان دنوں کے حالات اور داخلی جنگوں کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس قتل و غارت کی وجہ حضرت علی (ع) معاویہ اور عمرو عاص ہیں اور اگر ان تینوں افراد کو قتل کر دیا جائے تو مسلمان اپنے مسائل کو خود حل کر لیں گے۔ لہذا انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ہم میں سے ہر ایک آدمی ان میں سے ایک ایک کو قتل کرے گا۔

ابن ملجم نے حضرت علی (ع) کے قتل کا عہد کیا اور سن ۴۰ ہجری قمری میں انیسویں رمضان المبارک کی شب کو کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد کوفہ میں آکر بیٹھ گیا۔ اس شب حضرت علی (ع) اپنی بیٹی کے گھر مہمان تھے اور صبح کو واقع ہونے والے حادثہ سے باخبر تھے۔ لہذا جب اس مسئلہ کو اپنی بیٹی کے سامنے بیان کیا تو ام کلثوم نے کہا کہ کل صبح آپ ... کو مسجد میں بھیج دیجئے۔

حضرت علی (ع) نے فرمایا: قضاۃ الہی سے فرار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اپنے کمر کے پٹکے کو کس کر باندھا اور اس شعر کو گنگناتے ہوئے مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔

”اپنی کمر کو موت کے لئے کس لو، اس لئے کہ موت تم سے ملاقات کرے گی۔

اور جب موت تمہاری تلاش میں آئے تو موت کے ڈر سے نالہ و فریاد نہ کرو۔“

حضرت علی (ع) سجدہ میں تھے کہ ابن ملجم نے آپ کے فرق مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ آپ کے سر سے خون جاری ہوا آپ کی داڑھی اور محراب خون سے رنگین ہو گئی۔ اس حالت میں حضرت علی (ع) نے فرمایا : ” فزت و رب الکعبہ “ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر سورہ طہ کی اس آیت کی تلاوت فرمائی :

” ہم نے تم کو خاک سے پیدا کیا ہے اور اسی خاک میں واپس پلٹا دیں گے اور پھر اسی خاک تمہیں دوبارہ اٹھائیں گے “۔

حضرت علی (ع) اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی لوگوں کی اصلاح و سعادت کی طرف متوجہ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں، عزیزوں اور تمام مسلمانوں سے اس طرح وصیت فرمائی :

” میں تمہیں پرہیز گاری کی وصیت کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنے تمام امور کو منظم کرو اور ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اصلاح کی فکر کرتے رہو ۔ یتیموں کو فراموش نہ کرو ۔ پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت کرو ۔ قرآن کو اپنا عملی نصاب قرار دو ، نماز کی بہت زیادہ قدر کرو، کیوں کہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے “۔

آپ کے رحم و کرم اور مساوات پسندی کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کے قاتل کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے لا یا گیا، اور آپ نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، تو آپ کو اس پر بھی رحم آگیا۔ اپنے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن علیہ السّلام و امام حسین علیہ السّلام کو ہدایت فرمائی کہ یہ ہمارا قیدی ہے اس کے ساتھ کوئی سختی نہ کرنا، جو کچھ خود کھانا وہ اسے کھلانا، اگر میں صحتیاب ہو گیا تو مجھے اختیار ہے کہ چاہے اسے سزا دوں یا معاف کردوں اور اگر میں دنیا میں نہ رہا اور آپ نے اس سے انتقام لینا چاہا تو اسے ایک ہی ضربت لگانا کیونکہ اس نے مجھے ایک ہی ضربت لگائی ہے ۔ اور ہر گز اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ قطع نہ کرنا کیوں کہ یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

حضرت علی علیہ السّلام دو روز تک بستر بیماری پر کرب و بیچینی کے ساتھ کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر کار زہر کا اثر جسم میں پھیل گیا اور ۲۱ رمضان کو نماز صبح کے وقت آپ کی روح جسم سے پرواز کر گئی ۔ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السّلام نے تجہیز و تکفین کے بعد آپ کے جسم اطہر کو نجف میں دفن کر دیا۔